تبصرہ و تعارف

زنجیر

مصنف: سیدہ شانِ معراج
صفحات: ۱۳۶، قیمت: ۲۰۰ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۶

سیدہ شانِ معراج ایک اچھی شاعرہ کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ان کا شعری مجموعہ ساحل سیپ سمندر بھی شائع ہوکر مقبول ہوچکا ہے۔ یوں تو شاعری ان کا پہلا عشق ہے اور ان کی غزلیں تواتر سے ملک کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ان کے شوہر رونق رضا بھی شاعر تھے اور ان کا شعری مجموعہ ''نصف سفر'' بھی ان کی وفات کے بعد سیدہ شان معراج نے ہی شائع کروایا تھا۔زیرنظر کتاب 'زنجیر' سیدہ شان معراج کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔عنوان پڑھ کر اس پر بھی شعری مجموعے کا گمان ہوتا ہے۔اس کتاب میں کل ۹ مضامین ہیں۔مولانا ابوالکلام آزاد، فراق، ڈاکٹر انجم جمالی، نبی حسن خیال، حجاب پردہ نشیں، شاذ تمکنت کی شخصیت اور ادبی خدمات پر بڑے معیاری مضامین شامل کتاب ہیں۔ان کے علاوہ 'مثنوی اسرارِ محبت' محبت خاں، اردو مثنوی میں محبوب کا تصور اور ہولی یک جہتی کی علامت بھی ہیں۔ان مضامین کے عنوانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیدہ شان معراج کا ذوق کس قدر بالیدہ ہے اور انھوں نے روایتی انداز سے الگ مختلف شخصیات کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ابوالکلام آزاد یوں تو ماہر نثر نگار اور صحافی کے طور پر مقبول ہیں، لیکن سیدہ شان معراج نے ان کی شاعری پر گفتگو کی ہے۔سیدہ شان معراج لکھتی ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد جیسے انا پرست، خود پسند اور سرفرازی کا جذبہ رکھنے والے انسان نے ترک شاعری اختیار کر کے اپنے لیے بہتر ہی کیا۔اب یہ اور بات ہے کہ اس سے حسین اور شاعرانہ نثر کا ہمیں موجد مل گیا جس کا مقابل فی الحال کوئی نثر نگار نظر نہیں آتا۔''

اِس مضمون میں شانِ معراج نے مولانا آزاد کا اردو اور فارسی کلام بھی پیش کیا ہے۔مولانا کی شاعری پر مزید گفتگو کی ضرورت ہے تاکہ مولانا کی خدمات کا دائرہ وسیع ہوسکے۔حجاب پردہ نشیں تاثر کے آئینے میں ایک خاکہ نما مضمون ہے۔حجاب کی شاعری اور شخصیت کا اس مضمون میں اچھی طرح احاطہ کیا گیا ہے۔فراق پر ان کا مضمون جذبات اور تاثرات سے لبریز ہے۔ انھوں نے فراق سے ملاقات کا بڑا عمدہ نقشہ کھینچا ہے۔شان معراج کے مطابق فراق غم کا احساس ہی پیدا نہیں کراتے بلکہ غم کا عرفان بھی پیدا کرا دیتے ہیں۔شاذ تمکنت پر بھی تاثراتی مضمون ہے۔مضمون کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے جیسے شاذ صاحب سے سیدہ شانِ معراج کی بڑی انسیت تھی۔ ان کے مضمون کا ایک ایک لفظ شاذ تمکنت کے تئیں ان کا خلوص اور انسیت ظاہر کررہا ہے۔ ڈاکٹر انجم جمالی پر بھی تحریر کیا مضمون ان کو عمدہ خراج عقیدت ہے۔مثنوی اسرار محبت، محبت خاں ایک تحقیقی مضمون ہے۔مثنوی اسرارِ محبت پر میری نظر سے اب تک کوئی مضمون نہیں گزرا۔عموماً میر حسن، شوق، دیا شنکر نسیم، منیر شکوہ آبادی اور چند گنے چنے ناموں کے علاوہ مثنوی پر گفتگو نہیں کی جاتی۔سیدہ شانِ معراج قابل تعریف ہیں کہ انھوں نے ایک ایسی مثنوی پر قلم اٹھایا جس پر ناقدین اردو ادب نے توجہ نہیں دی ہے۔اردو مثنوی میں محبوب کا تصور بھی ایک لائق مطالعہ مضمون ہے۔ کتاب کا آخری مضمون ہولی یک جہتی کی علامت ہے۔جس میں انھوں نے ہندوؤں کے تہوار ہولی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی اس تہوار نے یک جہتی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اردو شاعری میں بھی اس تہوار پر اشعار مل جاتے ہیں۔میر تقی میر، فائز، نظیر، احمد علی شوق، علی جواد زیدی جیسے شعرا نے ہولی پر بہت سے اشعار کہے ہیں اور ہولی اردو شاعری میں کافی مقبول ہے۔

سیدہ شانِ معراج کی یہ کتاب تنقیدی نوعیت کی کتابوں میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور موجودہ ریسرچ اسکالروں کے لیے ایک پیغام بھی ہے کہ جب بھی آپ کوئی مضمون تحریر کریں تو موضوع ایسا منتخب کریں جس میں کچھ نیا ہو، گھسے پٹے اور عام سے موضوعات سے اجتناب برتیں۔سیدہ شانِ معراج کی اس کتاب کی یہ سب سے اہم خوبی ہے کہ سارے مضامین بالکل فریش اور تازہ ہیں۔ایسا لگتا ہی نہیں کہ ان موضوعات پر تواتر سے مضامین چھپتے رہتے ہیں۔سید شریف الحسن نقوی نے تاثرات کے تحت کتاب کے مضامین کا تعارف پیش کیا ہے۔

سیدہ شانِ معراج کی کتاب کے آغاز میں معروف طنز و مزاح نگار جناب مجتبیٰ حسین کا خاکہ نما مضمون بھی ہے جس کا عنوان کچھ شاہجہاں پور اور سیدہ شان معراج کے بارے میں ہے۔ اِس مضمون میں مجتبیٰ حسین نے شاہجہاں پور اور سیدہ شان معراج کا اتنا خوبصورت خاکہ تحریر کیا ہے کہ پڑھ کر دل خوش ہوجائے۔ خاکے سے سیدہ شانِ معراج کی مختلف عادات واطوار اور مزاج کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں:

’’سیدہ شان معراج کے مزاج میں عجیب سا تلون ضرور موجود ہے، لیکن اس کے باوجود وہ زندگی گزارنے کے لیے خوش مذاقی کو نہایت ضروری تصور کرتی ہیں۔ میں ان کی شاعری کا ادنیٰ سا پرستار ہوں اور میری یہ دعا ہے کہ وہ اردو ادب کو اپنے خوبصورت شعروں سے مالا مال کرتی رہیں۔ رونق رضا صاحب کے انتقال کے بعد اگرچہ وہ بجھ سی گئی ہیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ زندگی کا ادراک انھیں جینے کا پھر ایک نیا حوصلہ اور نیا سلیقہ عطا کرے گا۔‘‘

یہ کتاب لائق مطالعہ ہے اور اردو قارئین کو یقیناً پسند آئے گی۔ سیدہ شان معراج سے مستقبل میں مزید اچھے تنقیدی مضامین کی امید کی جاتی ہے۔

تبصرہ نگار: عبدالحی

C161، پیس اپارٹمنٹ، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

ماہنامہ **انشا کا خسرودرپن** (کتابی ایڈیشن)

مرتب: ف۔س۔اعجاز

صفحات: ۲۴۰، قیمت: ۳۰۰روپے

ناشر: انشا پبلی کیشنز، B-25، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ

جس دور میں اردو اخبارات ورسائل کے روز افزوں زوال کے تذکرے ادبی نشستوں اور تحریروں کا مرغوب موضوع ہوں ایسے عہد میں چند ادبی رسائل ایسے بھی ہیں جنھوں نے ادبی صحافت کے بلند معیار کو قائم رکھا ہے۔ ماہنامہ ’انشا‘ کا شمار بھی ایسے ہی ادبی جرائد میں ہوتا ہے۔ مضامین اور طباعت کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے یہ رسالہ عالم گیر شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ اپنی ۳۲ سالہ اشاعتی سرگرمیوں کے دوران اس رسالے نے ۲۵ خاص شمارے شائع کر کے ادبی تاریخ میں وہ کارنامہ انجام دیا ہے جس کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

’خسرو درپن‘ ماہنامہ ’انشا‘ کا ۲۵واں (سلور جبلی) خاص شمارہ ہے۔ ’انشا‘ کے سابقہ خصوصی شماروں کی طرح یہ نمبر بھی اپنے مواد اور اس کی پیشکش کے اعتبار سے ایسے دستاویزات کی فہرست میں شامل ہے جن سے آئندہ حوالے کا کام لیا جائے گا۔ اس شمارے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں امیر خسرو کی فکر وفن سے متعلق فرسودہ مضامین سے ہٹ کر نئے زاویوں اور امکانات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ کام زحمت طلب بھی تھا اور وقت طلب بھی، ایڈیٹر اور دیگر ارباب بست وکشاد کی فرض شناسی اور دو سالہ انتھک کوشش کے نتیجے میں یہ خاص شمارہ کتابی ایڈیشن کی صورت میں شائع ہو سکا ہے۔ ’خسرو درپن‘ کے بیشتر مضامین نئے ہیں صرف چند پرانے مضامین ان کی افادیت کے پیش نظر شامل ہیں۔ اس شمارے کی ترتیب اس سلیقہ مندی سے انجام دی گئی ہے کہ اس کو پڑھتے وقت قاری خسرو کے فن اور شخصیت سے بتدریج متعارف ہوتا ہے۔ پیش لفظ کے بعد ابتدائی دو مضامین ضمیر نیازی کے ہیں جن سے خسرو کی شخصیت اور ان سے متعلق مطالعات کی ایسی تصویر ابھرتی ہے جو آئندہ خسرو شناسی کے باب میں ایسی اساس فراہم کرتی ہے جس پر مطالعے کی بلند ترین عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اس شمارے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، کے۔ کے۔ کھلّر، امیر حسن عابدی، پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، صفدر آہ، پروفیسر صادق، شمیم طارق، اور دیگر ارباب قلم کے مضامین اپنے موضوع اور پیشکش کے اعتبار سے نہایت اہم اور دستاویزی اہمیت کے حامل ہیں۔ ف۔س۔اعجاز نے خسرو کے فارسی اور ہندوی کلام کا انتخاب شامل کر کے اس شمارے کو عوام وخواص دونوں کی توجہ کا مرکز بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ انتخاب ان قارئین کے لیے بے حد مفید ہے جن کی رسائی کسی وجہ سے خسرو کے مکمل کلام تک ممکن نہیں ہو پاتی۔ سرفراز احمد راہی نے خسرو کی ۱۸/ اور طارق اکبر نے ایک فارسی غزل کا منظوم اردو ترجمہ کر کے خراج عقیدت پیش کیا ہے اور خسرو کی شاعری کو غیر فارسی داں طبقے میں شاعری کے وسیلے سے ہی متعارف کرایا ہے۔

اردو اور فارسی حلقوں سے باہر خصوصاً ہندی اور انگریزی داں طبقہ خسرو کی کس طرح تفہیم کرتا ہے اس کو سمجھنے کے لیے ’خسرو درپن‘ معاون ہے۔ اس شمارے میں پانچ انگریزی اور ایک ہندی مضمون کا ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے جن سے خسرو شناسی کی روایت مستحکم ہوتی ہے اور خسرو کی ایک ایسی تصویر ابھرتی ہے جو مختلف رنگوں سے سجی اور بنی ہے۔

امید ہے کہ زیر تبصرہ کتاب خسرو کے تعلق سے ایک اہم دستاویز کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگی اور خسرو شناسی کی راہوں کو زیادہ ہموار وروشن کرے گی۔ اس خاص شمارے میں خسرو سے متعلق جو تصاویر شائع کی گئی ہیں وہ مصوری سے شغف رکھنے والوں کے لیے ایک نایاب تحفہ ہیں۔ کتاب کی مکمل ترتیب وتزئین ایڈیٹر کے حوصلے اور سلیقہ مندی کی بولتی تصویر تو ہے ہی اس طرح کے کام کرنے والوں کے لیے ایک نمونہ بھی ہے۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر محضر رضا

شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

چراغ تہہ داماں

مصنف: شہناز فاطمی

صفحات: ۱۴۴، قیمت: ۲۰۰روپے

ملنے کا پتہ: بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-4

شہناز فاطمی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کا تعلق خانوادۂ شاد

عظیم آبادی سے ہے۔معروف ترقی پسند شاعر سید سلطان احمد بہزاؔد فاطمی کی منجھلی صاحبزادی اور آبروئے غزل شادؔ عظیم آبادی کی پڑپوتی ہونے کی سعادت حاصل ہے۔طالب علمی کے دور میں ہی ادبی ذوق نے انگڑائیاں لینی شروع کردی اور ان کا پہلا افسانہ بعنوان ''ایک اصول ایک فرض'' ۱۹۷۱ء میں ماہنامہ ''صبح نو'' میں شائع ہوا۔

۲۵ افسانوں پر مشتمل ''چراغ تہہ داماں'' اردو میں ان کا اوّلین افسانوی مجموعہ ہے۔ حالانکہ اس سے قبل ان کی کہانیوں کا ایک مجموعہ بعنوان ''چڑیل'' کے علاوہ کئی ناول ودیگر کتب دیوناگری رسم الخط میں شائع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہیں۔ بعد ازاں اردو ترجمے بھی شائع کیے گئے۔ ''چراغ تہہ داماں'' مجموعے میں شامل سبھی افسانے بیانیہ انداز، عام فہم و سلیس پیرائے میں رقم کیے گئے ہیں۔ اس لیے ''چراغ تہہ داماں'' میں شامل افسانوں کی تفہیم وادراک میں قاری کو نہ تو دشواری ہوتی ہے اور نہ ان کے ذہن پر بارگراں گزرتا ہے بلکہ قاری خود کو افسانے کے واقعات اور کردار میں پوری طرح ضم کردیتا ہے اور یہی اسلوب و بیان ان کے افسانوں کی کامیابی کا نہ صرف ضامن ہے بلکہ انھیں دیگر خواتین افسانہ نگار سے ممتاز بھی کرتا ہے۔ شہناز فاطمی نے اپنے افسانوں میں اخلاقی پہلوؤں، عصر حاضر کی معاشرتی الجھنوں، پیچیدگیوں، ٹوٹتے بکھرتے اور پامال ہوتے رشتوں کی کربناکیوں کو بے حد خوبصورت اور دلکش پیرائے میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے جو کچھ رقم کیا ہے وہ اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں قلمبند کیا ہے۔وہ خود رقمطراز ہیں کہ....اس دار فانی میں غم اور درد ہی نہیں خوشیاں بھی بکھری پڑی ہیں۔جنھیں ہر انسان دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، میں نے بھی انھیں بہت قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔

آگے رقم طراز ہیں....میری یہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں انہی بے چین لمحوں، مشاہدوں اور تجربوں کی پیداوار ہیں جنھیں میں نے دیکھا اور سنا ہے۔(حرف آغاز،ص:۸)

''چراغ تہہ داماں'' میں شامل افسانے مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔شہناز فاطمی کے افسانوں میں عورت مختلف کردار میں نظر آتی ہے۔مثلاً کبھی ماں بن کر اپنی ممتا لٹاتی ہے تو کبھی وفا شعار بیوی بن کر قلبی و جسمانی راحت وسکون بخشتی ہے تو کبھی درگا ماں، کبھی کالی ماں اور کبھی چنڈی کا روپ دھار کر راکششوں کا سروناش کرتی ہے۔شہناز فاطمی کے افسانے نہ صرف ان کے احساسات وجذبات کے آئینہ دار ہیں بلکہ قاری ان کے درد مندل اور آبلہ پائی کو بھی اچھی طرح محسوس کرتا ہے۔ وہ معاشرتی برائیوں پر صف نشتر زنی ہی نہیں کرتیں بلکہ ان کا مداوا بھی پیش کرتی ہیں۔ ان کے افسانے قاری کو دعوت فکر دیتے ہیں۔وہ فرسودہ اور خوابیدہ ذہن کو جھنجھوڑنے کی کوشش کرتی ہیں اور انھیں جگانے وجلا بخشنے کی حتی الامکان کوشش بھی کرتی ہیں تاکہ انسانیت شرمسار نہ ہو اور معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیاں ایک دن معاشرے کے لیے ناسور یا بدنما داغ نہ ثابت ہوں۔یا اتنی دیرنہ ہوجائے کہ برائیوں کو مٹانے کی ہمت اور طاقت کھوکر ہم خود ان برائیوں کا ایک حصّہ بن جائیں۔وہ وقت رہتے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتی ہیں تاکہ تیرگی کو مٹا کر ایک نئی روشنی سے معاشرے کو منور کیا جاسکے اور معاشرے میں ایک نئی صبح کا آغاز ہو۔مثلاً افسانہ ''کینسر'' میں اصلاحی رنگ نمایاں طور سے غالب ہے۔وہ جہیز جیسی لعنت پر بھرپور وار کرتی ہیں۔تاکہ ہمارا دین اور دنیا دونوں سنور جائے۔آج معاشرے میں جہیز ایک مہلک مرض کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے، جس کا انجام ایک دن یقیناً تباہ کن ہوگا۔چند دل دہلانے والے واقعات اخبارات میں شائع بھی ہوتے رہتے ہیں۔اس مہلک مرض سے قوم کو باز رہنے کی ہدایت کرتی ہیں اور طنز کے خنجر کا وار اس قدر دل فریب اور اتنے دلکش انداز سے کرتی ہیں کہ پروفیسر کلیم احمد عاجز کا یہ شعر ان کی ترجمانی کرتا ہے:

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

مجموعہ میں شامل افسانہ ''جشن''، منشی پریم چند کے افسانہ ''کفن'' کی یاد تازہ کرادیتا ہے۔شہناز فاطمی کے افسانوں میں عورت چنڈی کا روپ دھار کر راکششوں کا سروناش کرتی ہے۔ میرے اس قول کی وضاحت مجموعہ میں شامل افسانہ ''طمانچہ'' اور ''انتقام'' سے ہوتا ہے۔

افسانہ ''بونسائی'' کا شمار بھی ایک اچھے افسانے میں کیا جاسکتا ہے۔ افسانہ ''جلی کٹو'' کا شمار اس مجموعہ کے سب سے کامیاب افسانے میں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس افسانے میں بے زبان کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا درس دیا گیا ہے۔خود کو اشرف المخلوقات کہنے والا انسان بے زبان جانوروں کے ساتھ کیسے کیسے ظلم وستم ڈھاتا ہے۔ اس کی ایک مثال تمل ناڈو میں کھیلا جانے والا کھیل ''جلی کٹو'' ہے۔

ایسے بامقصد افسانے قلمبند کرنے کے لیے پروفیسر شہناز فاطمی کی پذیرائی کی جانی چاہیے اس اُمید کے ساتھ کہ اردو کے افسانوی ادب کے خزینے میں وہ اپنے بہتر اور معیاری افسانوں سے اضافہ کریں گی۔

تبصرہ نگار: ڈاکٹر قیصر زاہدی
عالم گنج، لوہروا گھاٹ، پٹنہ۔800007

کھڑکیاں دروازے کی (نیّر قریشی گنگوہی: ایک مطالعہ)

مرتب: عمران عظیم
صفحات: ۴۴۰، قیمت: ۳۰۰/روپے
رابطہ: مکتبہ جامعہ دہلی، علی گڑھ، ممبئی

نیّر قریشی گنگوہی کی متحرک شخصیت نگاہوں کے سامنے اپنی تمام تر صلاحیتوں ادبی اور تحریکی سرگرمیوں کے ساتھ نمودار ہونے لگتی ہے۔ یہ ان کی پُرکشش شخصیت کا ہی کمال ہے کہ ان کے فرزندار جمند عمران عظیم نے ان پر ضخیم کتاب ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب ۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ''فرمودات، دوسرا باب ''میزان'' جس میں شاعر بزرگ نیّر قریشی کے سبھی شعری مجموعوں پر تبصرے، تیسرا باب نیّر قریشی گنگوہی: نکہت وتابش کے پس منظر میں مضامین ہیں جس میں ان کے پہلے شعری ''نمود سحر'' کا اجرا اور روداد مشاعرہ مفصل طور پر ہے۔ چوتھے اور آخری باب میں ''منظوم اظہاریہ'' ہیں۔ مضمون نگاروں میں ایس۔ ایم۔ عباس، ڈاکٹر شریف احمد قریشی، اقبال انصاری، پروفیسر خالد حسین خان، ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی، ڈاکٹر نعیم ساحل، عبدالغنی دانش، ڈاکٹر محبوب راہی، ڈاکٹر وارث انصاری، پی۔ پی۔ سریواستو رند، راشد جمال فاروقی، ڈاکٹر مقبول احمد مقبول، مولانا شمشاد احمد مظاہری، احسن امام احسن، ڈاکٹر حافظ کرناٹکی، احمد جلیسری، انور بارہ بنکوی، عبدالغنی پیام انصاری، اسلم حبیب، عرش صہبائی، ضمیر فاروقی، ابوذر انصاری، ڈاکٹر عبّاس نقوی، افسر آغا لکھنوی، راجندر ناتھ رہبر، رئیس الدین رئیس، کریمی الاحسانی اور ڈاکٹر سراج گلاوٹھی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ تبصرہ نگاروں میں قمر سنبھلی اسد رضا، جلیس نجیب آبادی، نسیمہ لکھنوی، ڈاکٹر واثق حیات، محمد ساجد کھجناوری، ڈاکٹر کہکشاں روحی ناز اور اسرار گاندھی وغیرہ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ منظوم اظہاریہ میں کامل آفریدی، ولی اللہ ولی بستوی، انا دہلوی، فرحین اقبال اور ندیم اختر ندیم نے بھی شرکت کی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے مقامی حضرات نے اپنی تحریروں، تبصروں اور منظوم تخلیقات کے ذریعہ اور کھڑکیاں دروازے کی (نیّر قریشی گنگوہی: ایک مطالعہ) کو دستاویزی حیثیت دی ہے۔ اس کتاب میں شامل مقالوں اور تبصروں نے نیّر قریشی گنگوہی کی زندگی کا احاطہ کیا ہے۔ جس کے لیے مرتب عمران عظیم مبارکباد کے مستحق ہیں۔

تبصرہ نگار: شاہ نور

راہل ڈپلیکس، نزد انولگ سوسائٹی، فتح واڑی، سرکھیج روڈ، احمد آباد
موبائل: 8780360418

رنگ، ہنر (شعری مجموعہ)

شاعر: رمیش کنول
صفحات: ۲۵۶، قیمت: ۵۰۰/روپے
مطبع: ارم پبلشنگ ہاؤس، دریاپور، پٹنہ-4

ہم نے محسوس کیا ہے جس طرح مصور اپنے تجربے کو رنگوں کے ذریعے پیش کرتا ہے اسی طرح شاعر بھی اپنے خیالات وجذبات کو لفظوں کے ذریعے پیش کرتا ہے، لیکن رمیش کنول نے تو صاحب ثروت ہونے کی دلیل پیش کرتے ہوئے ہر ایک صفحے پر کاغذی کنول کھلائے ہیں۔ مجموعۂ کلام میں کنول کے علاوہ دیگر آرزوؤں کے پھول اور شکایتوں کے خار بھی نظر آتے ہیں۔ استادِ محترم پروفیسر حفیظ بنارسی کے حوالے سے رمیش کنولؔ نے قطعہ درج کرکے اس مقدس روایت کو جلا بخشی ہے جو مفقود ہوتی جارہی ہے۔ ڈاکٹر اعجاز علی ارشد اور عالم خورشید نے فلیپ کور پر ان کی شاعری کا تعارف کرایا۔ رہا سوال رمیش کنولؔ کے اشعار کی سند کا تو اس کے لیے رنگِ ہنر کی پہلی غزل کا مقطع کافی ہے، کیونکہ اس شعر کی معنوی وسعت بہت وسیع ہے ملاحظہ کیجیے:

بیٹیوں کو بچا کے رکھئے کنولؔ
ان کو پانے میں وقت لگتا ہے

ہفتے بھر کام کاج کی دوڑ بھاگ اور تھکن سے چور آدمی ایک دن اتوار کو آرام کی خواہش رکھتا ہے اور اس مفہوم کو ادا کرنے والے شعرا میں کئی نام مشہور ومعروف بھی ہیں جنھوں نے تعطیل کے تناظر میں اشعار لکھے، لیکن کھڑی بولی کے قریب سے ہوکر گزرتا ہوا یہ شعر رمیش کنولؔ کو تادیر یاد کرانے کے لیے کافی ہے:

یہ مرا جسم تو اتوار کو بھی کھٹتا ہے
میں جانتا نہیں چھٹی کا فلسفہ کیا ہے

شاعر حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے، روئے زمین پر کہیں بھی انسانیت شرمسار ہو یا کہ انسانیت کا قتل ہو وہ کہے بغیر نہیں چوکتا اور وہ شاعر جس نے اردو کا مزاج پایا ہو قطعی خاموش نہیں رہ سکتا تبھی لکھتا ہے:

قتلِ اخلاق پر ہی یاد آیا
آپ کو انقلاب کا موسم
ریپ کا ڈر ہرن سی آنکھوں میں
بیٹیوں پر نقاب کا موسم

آخر میں ایک شعر پر اپنی بات مکمل کرتا ہوں:

جہاں والے مجھے میرا مقام زندگی دے دیں
کہیں رسم شرافت کو نہ بے کس دل کچل جائے

مفہوم کی تکرار سے شعری مجموعے کی پذیرائی میں کمی آنے کا گماں گزرتا ہے۔ رمیش کنولؔ نے جہاں ہندی اور انگریزی کی لفظیات کو بھرپور طریقے سے اپنی غزلوں میں برتا ہے وہیں اردو لفظیات کا بھی خوبی کے ساتھ استعمال کر کے غزل کو غزل بنائے رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً خوش بیانی، ردا، وصل، آیتیں، لذتیں، امروز، عکس حسیں، آبشار، دیدۂ مہجور، خلا، تلخی، منتشر، محویاس، کہکشاں، فصاحت، تعاقب، مضطرب، غالیچہ، ثواب، ضرب پیہم، آئینہ جیسی خاص لفظیات کو جگہ دی ہے اور ہندی کی لفظیات کی بات کریں تو مثال کے طور پر شکچھیکا، بھاجپا، راجنیتی، دیویوں، سگندھت، جوالہ مکھی، دیش ہت، ندی پربتوں، سنجوکر، امرت، بھنگ، آدیش، گندھ، یودن، بندھک، اسپرش، وراٹ، راج گھاٹ، پچھم دشا، وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں وہیں انگریزی کی لفظیات کو بھی برتنے کے تجربے سے گزرے ہیں، مثلاً سیکولر، ڈائبٹیز، ریپ، ووٹروں، ایڈس، کلینڈر، ڈیلٹا، الیکشن، ماڈل کو غزلوں میں شامل کیا گیا ہے۔ 'رنگ ہنر' پر صاحب کلام کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اُمید کرتا ہوں سہل لفظیات کی غزلوں کے متلاشی قارئین کو رمیش کنول کی یہ کتاب ضرور پسند آئے گی۔

تبصرہ نگار: حبیب سیفی

E12/51B، فرسٹ فلور حوض رانی، مالویہ نگر، نئی دہلی۔110017

کاروانِ علم و ادب کا علمبردار: ڈاکٹر علی شیر خان

مصنف: حکیم محمد سالم ادیبؔ

صفحات: ۳۵۰، قیمت: ۳۵۰؍روپے

طباعت: اسکریز، کولکاتہ۔ ۱۶

زیر نظر تبصرہ کتاب ''کاروانِ علم وادب کا علمبردار: ڈاکٹر علی شیر خان'' مرتب حکیم محمد سالم ادیبؔ کی محنت کا نتیجہ ہے۔ حکیم محمد سالم بہت لکھنے پڑھنے والے ادیب ہیں۔ اردو ادب میں ان کا نام عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اردو زبان ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اردو ادب ہی نے ان کا ذوق وشوق بڑھایا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ حکیم محمد سالم ادیب نام سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑے ادیب ہیں۔ ان کا ادبی ذوق بڑا قابل تعریف ہے۔ انھوں نے نہ صرف اردو ادب میں علی شیر خان کو پڑھا بلکہ بہت قریب سے سمجھا بھی ہے۔ محمد سالم صاحب نے علی شیر خان کے مختلف کارناموں کو بڑی بے باکی سے قلم بند کیا ہے۔ حکیم محمد سالم ادیب کی تہذیبی، اخلاقی، سماجی، سیاسی، تنقیدی، شعری، فکری وفنی پر ان کی گہری نظر ہے اور تحریریں ان کی بڑی دلچسپ ہیں۔ پیش لفظ کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ مصنف مدرسے سے تعلق رکھتے ہیں کیوں کہ مصنف کی زبان بہت ہی عمدہ ہے۔ حکیم سالم ادیب نے محمد علی شیر خان پر یہ بہترین کتاب مرتب کی ہے وہ قابل ذکر ہیں، انھوں نے ایک بڑا کام انجام دیا ہے۔

حکیم محمد سالم ادیب کی مرتب کتاب ''کاروانِ علم وادب کا علمبردار: ڈاکٹر علی شیر خان'' میں مختلف لوگوں نے اپنے اپنے طریقے سے مختلف موضوعات کے حوالے سے تخلیق کیا ہے، جو ہمیں معلومات فراہم کراتی ہے۔ علی شیر خان ایک ایسی منفرد شخصیت کا نام ہے جو اردو ادب کو پروان کرنے کا مقصد بنالیا۔ انھوں نے کولکاتا کو اردو ادب کا گہوارہ بنایا ہوا ہے۔ ان کی شان وشوکت اردو زبان وادب سے ہے۔ یہ صحافت داں بھی کہے جاتے ہیں۔ یہ سماجی وادبی شوق رکھتے ہیں۔ سیاست سے دور ہتے ہیں۔ غلط فیصلوں اور برائیوں سے تو کوسوں دور نظر آتے ہیں، یہ محنت وایمانداری کو بہت پسند کرتے ہیں، اسی کے بل بوتے پر اردو زبان وادب میں ہندوستان کی سرزمین پر اپنا جھنڈا بلند کرسکے۔ ڈاکٹر علی شیر خان تاریخ ساز اور زمانہ ساز بھی ہیں۔ جس ماحول میں جنم لیا وہ ناخواندگی اور خودفراموشی کا ماحول تھا۔ غازی پور سے کولکاتا تک ان کا نام سربلند ہے۔ اپنی زندگی میں پیچھے مڑکر کبھی نہیں دیکھا۔ بقول مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری ''ڈاکٹر علی شیر خان کا تحقیقی ذوق، علمی وارفتگی، ادبی شگفتگی، روحانی بالیدگی کا ایک حسین مرقع ہے۔ جس میں جمالیاتی حسن وتجمل کا قوس قزح خوش رنگ نظر آتا ہے۔ ان کی سادگی حسن اور پرکاری جمال وکمال کا آمیزہ ہے''۔ ڈاکٹر علی شیر خان کا گھمنڈ، غرور، تکبر، کاہلی، سستی سے واسطہ دور تک نہیں ہے۔ خاکساری وانکساری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ تعلیمی بیداری کا شوق موجزن ہے اور ہمہ وقت اس کے لیے کوشاں رہتے ہیں اسی صفت کی بنا پر بیشتر لوگ ان کو سرسید ثانی کہتے ہیں۔ شیر خان سماجی، ملی، تعلیمی، دینی اور فلاحی خدمات انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر علی شیر خان سے متعلق سبھی مضامین بہت عمدہ ہیں جو کہ ان کی حیات وزندگی، کارنامے، تعلیمی، سماجی، ادبی وغیرہ پر گہرائی سے دعوت مطالعہ ہے۔ یہ سبھی موضوعات ہماری معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ اردو کے فروغ اور ارتقا کی بات کرنا، اردو تعلیم کو رواج دینا کتاب کو منظر عام پر لانا بڑے جگر والا کام ہے۔ علی شیر خان نے مغربی بنگال کی راجدھانی کولکاتا کے درجہ ہائی اسکول میں اردو زبان کا قیام کیا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اردو کا سچا سپاہی آج بھی نوجوانوں کی طرح کام کررہا ہے۔ ڈاکٹر شیر صاحب کو پرنب مکھرجی ہندوستان کے صدرِ جمہوریہ کے ہاتھوں ٹیچرس ڈے پر ''قومی صدارتی'' ایوارڈ سے نوازا گیا۔ شیر صاحب کی تصنیف میں ''اردو ادب کے ارتقا میں

غازی پور کی خدمات سے پروفیسر مظفر حنفی، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، استاد سخن علقمہ شبلی اور شری چند شر مارشش وغیرہ کے مضامین اخذ کیے گئے ہیں اور ''عکس حیات'' سے ڈاکٹر رضی ناطق، ڈاکٹر ارشد الاعظمی اور کاشف بہاری کی نظمیں شامل ہیں۔ ان کی خدمات اور کارنامے نمایاں ہیں مثلاً علم و ادب کا شہباز، ایک متحرک شخصیت، اجالوں کا نمائندہ آسمان علم و ادب کا تابندہ ستارہ، یہ اعزاز نازش ملت اترے ایمان کو پھولوں کے اس میں غسل دوں، ہمہ جہت شخصیت کا مالک، ایک مرد قلندر، اس کے علاوہ کلکتے کا سرسید، ادب کا شیر، ماہر تعلیم اور بھارت کی شان جیسے عنوانات سے نوازے گئے۔

زیر نظر کتاب ''کاروان علم و ادب کا علمبردار: ڈاکٹر علی شیر خان''، حکیم محمد سالم ادیب کی مرتب کتاب ہے۔ اس میں کل تقریباً (۷۲) بہتر منظوم ومنثور ہیں۔ اپنے آپ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور معلومات میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ کتاب کے بیک کور پر ان کی تصویریں کتاب کو چار چاند لگاتی ہیں۔ کم وقت میں بآسانی اس کتاب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کی زبان و بیان بہت صاف ستھری ہے، جو پڑھنے میں دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ یہ کتاب علی شیر خان کی ادبی شخصیت اور ان کے کارنامے کو سمجھنے اور مختلف فکر وفن کو جاننے میں نہ صرف معاون ہے بلکہ ناگزیر کی حیثیت رکھی ہے۔ جملہ طور پر یہ کتاب کافی حد تک مفید ہے، لیکن ٹائپنگ کی بے شمار غلطیاں مطالعے میں خلل پیدا کرتی ہیں۔ سرورق دیدۂ زیب ہے البتہ مشاہیر کی بیک کور پر تصویروں کے ساتھ ان کے نام بے حد خوبصورت لگ رہے ہیں۔ ان سب کے علاوہ اس کتاب کی تحریریں پُر اثر اور دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔ پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔

تبصرہ نگار: سنتوش کمار
ریسرچ اسکالر، دہلی یونیورسٹی، دہلی۔110007

تراوش قلم (فن وشخصیت)

مصنف: ڈاکٹر معصوم شرقی
صفحات: ۲۰۸، قیمت: ۳۰۰/روپے
ناشر: ایم۔آر۔پبلی کیشنز

زیر نظر تصنیف ''تراوش قلم'' (فن وشخصیت) ڈاکٹر معصوم شرقی کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر شرقی نے متعدد اصناف نظم و شعر میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن تحقیق وتنقید ان کا اہم موضوع رہا ہے۔ ان کی تصانیف میں ''عکس تاب'' (غزلوں کا مجموعہ، ۲۰۰۹ء)، ''نظیر ثانی اشک امرتسری تعارف، تنقید اور تدوین کلام'' (تحقیقی مقالہ، ۲۰۱۲ء)، ''ادب جہاں'' (تنقید، تجزیہ اور تفہیم، ۲۰۱۵ء)، ''ادب و احتساب'' (تحقیقی، علمی ادبی مضامین، ۲۰۱۶ء) اور ''کلکتے کا ادبی ماحول: بیسویں صدی میں'' (تذکرہ، ۲۰۱۶ء) ادبی و علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔

''تراوش قلم'' دراصل سرزمین بنگال کے شعرا و ادبا کو ڈاکٹر شرقی کی گہری عقیدت اور محبت کا ہدیۂ پرخلوص ہے۔ ٹیگور و نذرل کی یہ سرزمین ہمیشہ سے ہی علم و ادب کا مرکز و منبع رہی ہے۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں سرزمین بنگال کو نمایاں اہمیت حاصل رہی ہے۔ ڈاکٹر شرقی بنگال کی اسی علمی و ادبی فضا کے پروردہ ہیں۔ وہ وہیں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت پائی اور وہیں کی سوندھی مٹی اور مہکتی فضا میں ان کے ادبی ذوق کی نشو ونما ہوئی اور ان کا تخلیقی و تحقیقی شعور پروان چڑھا۔ جس سرزمین نے انھیں یہ بلند مرتبہ عطا کیا اور قدر و منزلت کے آسمان پر مانند کہکشاں چمکایا، اس کے تئیں اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ڈاکٹر معصوم شرقی نے وقتاً فوقتاً بنگال سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق رکھنے والے شعرا و ادبا کو اپنی تحریروں کے توسط سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ زیر نظر تصنیف میں بھی ڈاکٹر شرقی نے بنگال سے تعلق رکھنے والے میدانِ شعر و ادب کی ان چیدہ و چنندہ ہستیوں کو موضوع بنایا ہے جو اگرچہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، مگر ان کے آثار و باقیات خزینۂ ادب میں بیش قیمت امانت کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی تفہیم وتشریح اور تحفظ و بقا ہمارا اخلاقی فریضہ ہے۔ ان بزرگوں میں ابراہیم ہوش، سالک لکھنوی، جرم محمد آبادی، اشک امرتسری، احسان دربھنگوی، ناظم سلطان پوری، اعزاز افضل، نصر غزالی، رونق نعیم، نذر الاسلام، نشاط الایمان، عین رشید، عابد ضمیر اور جاوید نہال کے نام شامل ہیں۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اپنے ہم عصر شعرا و ادبا کی شخصیت اور فن کو احاطۂ تحریر میں لاکر بنگال کی موجودہ ادبی صورتحال کے خد و خال کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے نہ صرف ان کی ناقدانہ بصیرت، عہد حاضر کے ادب پر ان کی گہری نظر، شعر و ادب سے ان کے جذباتی و قلبی لگاؤ کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس سے ان کی غیر جانبداری، صاف دلی اور جرأت و بیباکی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ایسے ادبا و شعرا میں علقمہ شبلی، احمد سعید ملیح آبادی، قیصر شمیم، ف س اعجاز، نذیر احمد یوسفی، خورشید اختر فرازی کے نام شامل ہیں۔

''تراوش قلم'' ایک ایسا نگار خانہ ہے جس میں رنگ برنگی، دلکش اور جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ ڈاکٹر شرقی کی نوک قلم نے ان میں ایسا رنگ اور تاثر بھرا ہے کہ لفظی پیکروں میں زندگی کی حرکت و حرارت محسوس کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر شرقی کی مجموعی خدمات کو دیکھتے ہوئے اور اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ادبی دائرۂ کار نہایت وسیع ہے۔ اس کتاب میں

جہاں انھوں نے: ''ابراہیم ہوش: ایک کثیر الجہات شاعر''، ''جرم محمد آبادی: شخصیت اور شاعری''، ''ناقدوں کے مقتول: اشک امرتسری''، ''ناظم سلطان پوری کا شعری وجدان''، ''غزل کا مزاج داں: اعزاز افضل''، ''نئی حسیت کا تخلیق کار: نصر غزالی''، ''جدید لب و لہجے کا منفرد شاعر: رونق نعیم''، ''علقمہ شبلی: ایک عہد شناس شخصیت'' جیسے عنوانات قائم کر کے اپنی سخن فہمی کا ثبوت پیش کیا ہے، وہیں انھوں نے افسانہ نگاروں: ''نشاط الایمان: اپنے افسانوں کے سیاق وسباق میں''، ''عابد ضمیر اور ان کا فن''، ''نذیر احمد یوسفی: ایک حساس فنکار'' اور ''فرازی کے افسانوں میں بولتا ہوا سماج'' کے افسانوں کے تنقیدی وموضوعاتی مطالعے سے یہ ثابت کیا ہے کہ جس طرح بنگال کی کوکھ سے شعر و شاعری جنم لیتی رہی ہے اسی طرح وہاں کی دھرتی سے کہانیاں بھی جنم لیتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو آپ بیتی نما انٹرویوز ''گفتگو سالک لکھنوی سے'' اور ''احمد سعید ملیح آبادی سے آپ بیتی اور صحافی مکالمہ'' شائع کی ہے جن سے ہمیں ان کے ادبی وصحافتی زندگی کے ساتھ ان کے خاندانی، سماجی اور سیاسی پس منظر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بنگال کے باغی اور انقلابی شاعر ''نذر الاسلام کی حیات معاشقہ'' کے ذریعے انھوں نے نذر الاسلام کے ذہنی وفکری ارتقا میں رومانیت اور روحانیت کے نقوش ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب ہٰذا میں شامل دو تبصرے ''قیصر شمیم کی شاعری 'سانس کی دھار' کے تناظر میں'' اور ف س اعجاز کا شعری مجموعہ ''اونچے مکانوں کے قریب ــــ ایک جائزہ'' بھی قابل مطالعہ ہے۔ اخیر میں انھوں نے ''ایک یادگار مشاعرہ'' کے تحت برصغیر میں مشاعرے کی روایت، بدلتے وقت کے ساتھ اس کی ہیئت و ماہیت میں تبدیلی کے ساتھ آفتاب اسپورٹنگ کلب جگتدل (بنگال) کے زیر اہتمام ۱۹۶۸ء میں منعقد ایک تاریخی مشاعرے کی روداد لکھی ہے جو حد درجہ دلچسپ ہے۔

ڈاکٹر معصوم شرقی کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے اپنی شخصیت یا علمیت کو پروجیکٹ یا نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں اور کس بارے میں کہہ رہے ہیں؟ ان پر ان کی توجہ زیادہ ہوتی ہے، جس سے قارئین نہ صرف ان کے پسندیدہ شاعر و ادیب سے واقف ہوتے ہیں بلکہ ان میں ان شاعر و ادیب کو مزید پڑھنے، جاننے اور سمجھنے کی تڑپ پیدا ہو جاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر شرقی کا یہ ایک بہت بڑا ادبی کارنامہ ہے۔ سرزمین بنگال اس پسر بنگال پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔

تبصرہ نگار: شاہنواز قمر

25 لوہٹ ہاسٹل، جے این یو، نئی دہلی۔ 67، موبائل: 9599493749

نقوش دانش

مصنف: محمد احمد دانش

صفحات: ۲۷۵، قیمت: ۱۷۰/روپے

تقسیم کار: ماہنامہ انشاء B-25، زکریا اسٹریٹ، کولکاتہ

محمد احمد دانش اردو ادب کے لئے کوئی نیا نام نہیں ہے، بلکہ وہ برسوں سے ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ملک کے اکثر اہم رسائل وجرائد میں ان کے مضامین اور تبصرے شائع ہوئے ہیں، جن کو قارئین نے کافی پسند کیا ہے۔ ان کا مطالعہ بھی وسیع ہے۔ تحقیق وتنقید کے اصولوں سے بھی خاصی واقفیت رکھتے ہیں اور زبان پر بھی دسترس حاصل ہے۔ قومی سطح کے کئی بڑے سمیناروں میں نہ صرف انھوں نے شرکت کی بلکہ اپنی تحریروں سے ادب نواز لوگوں کو محظوظ بھی کیا۔ وہ محقق اور ناقد ہونے کے ساتھ ساتھ صحافی اور شاعر بھی ہیں۔ شاعری میں انھوں نے غزل، پابند و آزاد نظموں کے علاوہ قطعہ، رباعی، ماہیے وغیرہ میں طبع آزمائی کر کے داد وتحسین بھی حاصل کی۔ نثر میں ان کا بہترین نمونہ ''نقوش دانش'' کی شکل میں آیا ہے۔ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔

''نقوش دانش'' ان کے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں تقریباً ۵۲ مضامین ہیں۔ یہ مجموعہ ایک نیا رنگ لے کر سامنے آیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل مضامین کو مصنف نے آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ہر باب کو اپنی طرف سے ایک عنوان دیا ہے اور اسی عنوان کے تحت مضامین کا انتخاب بھی کیا ہے۔ کتاب کے اندر اس طریقے کی تقسیم قاری کو تھوڑی الجھن میں ڈال دیتی ہے، لیکن اس سے کتاب کے معیار میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کتاب میں شامل مضامین مختلف نوعیت کے ہیں۔ ''عکس در آئینہ'' اس کتاب کا پہلا باب ہے اس باب میں اطہر مسعود خان کا کتاب پر لکھا ہوا مقدمہ اور اس کے علاوہ مصنف کو قارئین کی طرف سے موصول ہوئے خطوط، تاثراتی اقتباسات، حرف چند اور ان کا سوانحی اور ادبی خاکہ شامل ہے۔ باب دوم کا عنوان مصنف نے ''بستیاں ہماریاں'' رکھا ہے جس میں انھوں نے ریاست اتر پردیش کے ایک مشہور ضلع ''بجنور'' کے جغرافیائی تاریخی علمی وادبی پس منظر کا جائزہ لیا ہے۔ اسی طرح وہاں کی اردو صحافت اور اردو افسانے کے علاوہ بھی مختلف موضوعات پر مضامین لکھے گئے ہیں۔ باب سوم میں انھوں نے اردو کے مختلف مسائل پر مضامین قلم بند کئے ہیں۔ باب چہارم اور پنجم میں اردو ادب کی مختلف جہات کی حامل شخصیات اطہر مسعود خاں، معین شاداب، سیما فریدی، ڈاکٹر طاہر رزاقی، ڈاکٹر سعادت علی

صدیقی، حق سنبھلی، رفعت سروش کے حوالے سے مضامین شامل ہیں۔

باب ششم جس کا عنوان ''روبرو'' ہے۔ میں مصنف نے اردو کی مشہور ومعروف فکشن نگار قرۃ العین حیدر کے افسانوں کا تاریخی وتہذیبی عمل کی امیجری کے عنوان پر معنیٰ خیز مقالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے ان کے افسانوں کے موضوعات، پلاٹ، کرداراوران کی انفرادیت کوظاہر کرنے کی کوشش کی۔ ان کے علاوہ احمد فراز، سرسید احمد خان اور اردو میں بچوں کے رسائل ضروریات اور مسائل پر بھی مضامین شامل ہیں۔

باب ہفتم میں چار مختلف عنوانات پر مضامین درج ہیں۔ مصنف نے ان کو جس بے باکی کے ساتھ قلم بند کیا ہے اس سے ان کے گہرے شعور، سوچ اور فکر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس طرح باب ہشتم میں تین مضامین کے علاوہ چھ کتابوں پر مصنف کے لکھے ہوئے تبصرے موجود ہیں۔

''نقوش دانش'' درج ہر ایک مضمون پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جاسکتی ہے، مگر طوالت کے ڈر سے میں نے صرف اس کتاب کا مختصر خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو بہت جلد وہ مقام حاصل ہوگا جس کی یہ مستحق ہے۔

تبصرہ نگار: عامر نظیر ڈار

مکان نمبر 277/176، پہلی منزل، گلی نمبر 1A/9، رام گھاٹ وزیر آباد، دہلی

ڈراما علامہ

مصنفہ: صالحہ صدیقی

صفحات: ۱۱۱، قیمت: ۱۵۰/روپے

ملنے کا پتہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی

زیر تبصرہ کتاب ''ڈراما علامہ'' جیسا کہ نام سے ہی عیاں ہے علامہ اقبال کی زندگی کے اِردگرد بنا صالحہ صدیقی کا لکھا ہوا ایک خوبصورت ڈراما ہے۔ یہ ڈراما سات مناظر پر مشتمل ہے۔ اس ڈرامے کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک سال کے مختصر وقفے کے بعد ہی اس کے دوسرے ایڈیشن کی ضرورت محسوس کی گئی جس کا ذکر مصنفہ نے اپنے پیش لفظ میں بھی کیا ہے۔ پیش نظر ڈرامے کا دیباچہ عالمی شہرت یافتہ معروف افسانہ نگار مرزا حامد بیگ (لاہور، پاکستان) نے لکھا ہے، تو اس ڈرامے میں تقریظ ڈاکٹر طاہر حمید تنولی (لاہور، پاکستان) نے۔ اس کتاب میں علامہ اقبال کی سوانح عمری بھی شامل ہے جس سے نئے پڑھنے والوں کو علامہ اقبال کو سمجھنے، جاننے اوران کی شاعری سے واقفیت کا بھی موقع فراہم ہوتا ہے۔ اس ڈرامے کی ابتدا علامہ اقبال کی پہلی شادی کی کشمکش وتصادم سے ہوتی ہے۔ پھر ان کی دوسری اور تیسری شادی کی کشمکش کو بھی اس ڈرامے میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے میں علامہ اقبال کی زندگی کے اہم واقعات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں پیش کردہ مناظر، زبان، عہد و ماحول، رہن سہن، کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، تہذیب وثقافت، سبھی کچھ اسی زمانے کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ جس سے ہمیں اس عہد کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آنے لگتی ہیں۔ ڈرامے کے مطالعے کے وقت پیش کردہ واقعات بھی ایسے ہیں کہ ہم خود کو بھی اسی زمانے میں محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اس ڈرامے میں مشاہیر نقد و ادب کے نظریات بھی شامل ہیں۔ اس ڈرامے کے سلسلے میں ڈاکٹر رضا حیدر، ڈائرکٹر، غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی لکھتے ہیں:

''صالحہ صدیقی نے علامہ اقبال کی کشمکش وتصادم سے نبرد آزما خانگی زندگی پر مبنی ڈراما ''علامہ'' لکھا ہے۔ حالانکہ اس موضوع کو بہت کم لوگوں نے اپنی تحریر کا موضوع بنایا ہے، ان کی زندگی کے اس پہلو کو ڈرامے کی صورت میں پیش کرنا واقعی قابل تعریف ہے۔ یوں تو اردو شاعروں کی زندگی پر ڈراما پہلے بھی لکھا اور اسٹیج بھی کیا جاتا رہا ہے جن میں اہم نام مرزا غالب کا ہے، جن پر ہر سال غالب انسٹی ٹیوٹ کے پروڈکشن کے زیر اہتمام ڈراما ''غالب کی واپسی'' اور دیگر ڈرامے اسٹیج کیے جاتے ہیں، لیکن علامہ اقبال کی زندگی پر مبنی میری نظر میں یہ پہلا ڈراما ہے جسے صالحہ صدیقی نے تحریر کیا ہے جس کے لیے یقیناً وہ مبارکباد کی مستحق ہے، اُمید ہے ادبی حلقوں میں بھی ان کی اس کوشش کو سراہا جائے گا۔''

اس ڈرامے کے مطالعے سے مصنفہ کی محنت اور تحقیقی کاوش کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے۔ شاعر مشرق کی شاعری، فکر، فن، فلسفہ پر یوں تو بے شمار مضامین لکھے گئے ہیں اور ہر روز نئے نئے نکات پر خامہ فرسائی بھی کی جاتی ہے، لیکن ان کی ازدواجی زندگی، ان کی ذاتی زندگی، ان کی شخصیت، ان کے درد وکرب پر ڈراما لکھنا ایک قابل تعریف کام ہے۔ بقول پیغام آفاقی:

> ''اس ڈرامے میں علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی کو مرکز بنایا گیا ہے جس پر عموماً کم ہی گفتگو کی جاتی ہے۔ ڈرامے کے مطالعے سے اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ صالحہ صدیقی ڈرامے کے فنّی لوازمات، حسن اور اس کے تقاضوں کو بخوبی سمجھتی ہے۔''

(اسی کتاب سے، ص:۱۰۳)

اُمید ہے ادبی حلقوں میں اس ڈرامے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور مطالعے کے ساتھ اسٹیج کا بھی جز بنایا جائے گا۔ اُمید ہے ادبی حلقوں میں ان کے اس ڈرامے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

تبصرہ نگار: مہر فاطمہ، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔ 110025